عقیدۂ ختمِ نبوت کے چند عمرانی پہلو

عبد الحمید

اسلامی تصورِ حیات میں توحید کے بعد سب سے بڑی اہمیت عقیدۂ ختم نبوت کو حاصل ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی وہ اصل بنیاد ہے جس کی وجہ سے اسلام دوسرے الہامی مذاہب سے ممیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی گذشتہ پیغام کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ اس کی تکمیل ہو چکی ہے، اور اس کی حفاظت کا میں ذمہ دار ہوں سو دنیا کے تمام وہ صحائف جو گم ہو چکے ہیں، ان کا گم ہو جانا ہی ان کے وقتی اور عارضی ہونے کی ایک بیّن دلیل ہے اور جو موجود ہیں ان کی ایک ایک آیت تلاش کیجیے، آپ کہیں بھی ان میں اپنی تکمیل اور حفاظت کے وعدے کے متعلق ایک خفیف سے خفیف اشارہ تک نہ پائیں گے بلکہ اس کے برعکس ایک آنے والے نبی کی عالمگیر اور دائمی تعلیم، اور اس تعلیم کے عملی نمونہ کے متعلق آپ کو جا بجا تصریحات ملیں گی۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں :

"خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اُس کی سُننا۔ یہ تیری اُس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ہی ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں"۔ (استثنا ۱۸ : ۱۵، ۱۶)

"اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا اور جو کوئی میری اُن باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سُنے تو میں اُن کا حساب اُس سے لونگا (۱۸ : ۱۸، ۱۹)

• اور مردِ خدا موسیٰ نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت

دی وہ یہ ہے ۔ اور اُس نے کہا

خداوند سینا سے آیا

اور شعیر سے اُن پر آشکار ا ہوا ۔

وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا

اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا

اُس کے داہنے ہاتھ پر اُن کے لیے آتشیں شریعت ہوگی (استثناء ۳-۲)

تورات ان مذکورہ بالا آیتوں میں صاف طور پر بتا رہی ہے کہ ایک اور نبی موسیٰ علیہ السلام کے مثل اس دنیا میں تشریف لانے والے ہیں جو اپنے ساتھ ایک اور آتشین شریعت بھی لائیں گے اور اُن کے مُنہ میں خدا اپنا کلام بھی ڈالے گا۔اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ کا پیغام آخری نہیں ہے اور اس لحاظ سے اُن کا نمونہ بھی دائمی نہیں ۔

اس کے بعد یسعیاہ نبی ایک اور رسول کی خوشخبری سناتے ہیں :۔

" اے صیون کو خوشخبری سُنانے والی اونچے پہاڑ پر چڑھ جا اور اے یروشلم کو بشارت دینے والی زور سے اپنی آواز بلند کر خوب پکار اور مت ڈر۔ یہوواہ کی بستیوں سے کہہ دیکھو اپنا خدا دیکھو خداوند خدا بڑی قدرت کے ساتھ آئے گا اور اُس کا بازو اس کے لیے سلطنت کریگا۔ دیکھو اُس کا صلہ اُس کے ساتھ ہے اور اُس کا اجر اُس کے سامنے ۔ وہ چرواہے کی مانند اپنا گلہ چرائے گا ۔ وہ بروں کو اپنے بازوؤں میں جمع کرے گا اور اپنی بغل میں لے کر چلے گا اور اُن کو جو دودھ پلاتی ہیں آہستہ آہستہ لے جائیگا"

(یسعیاہ ۔ ۴۰ ۔ ۹،۱۰،۱۱)

انبیائے بنی اسرائیل کے دیگر صحائف اور زبور میں بھی آئندہ آنے والوں کی بشارتیں ہیں ۔ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی بھی نبی کا پیغام اور اُس کی اپنی زندگی بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے واجب الاطاعت نہیں۔

انجیل کو دیکھیے وہ اعلان کرتی ہے :۔

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا بلکہ

ان سے بڑے کام کرے گا۔ کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور جو کچھ تم میرے نام سے چاہو گے میں وہی کروں گا۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ برکت تمہارے ساتھ رہے۔" یوحنا ۱۴ : ۱۲-۱۶)

"میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں۔ لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔ میں تمہیں اطمینان دیئے جاتا ہوں۔ اپنا اطمینان تمہیں دیتا ہوں۔ جس طرح دنیا دیتی ہے میں تمہیں اُس طرح نہیں دیتا۔ تمہارا دل نہ گھبرائے اور نہ ڈرے۔" (یوحنا ۱۴ : ۲۶)

"لیکن میں نے یہ باتیں اس لیے تم سے کہیں کہ جب اُن کا وقت آئے تو تم کو یاد آجائے کہ میں نے تم سے کہہ دیا تھا اور میں نے شروع میں تم سے یہ باتیں اس لیے نہ کہیں کہ میں تمہارے ساتھ تھا۔ مگر اب میں اپنے بھیجنے والے کے پاس جاتا ہوں اور تم میں سے کوئی مجھ سے نہیں پوچھتا کہ تو کہاں جاتا ہے۔ بلکہ اس لیے کہ میں نے یہ باتیں تم سے کہیں۔ تمہارا دل غم سے بھر گیا۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤنگا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دونگا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ راستبازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہیگا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا (یوحنا ۱۶: ۲-۱۵)

اِن آیات میں انجیل نے صاف اعلان کیا ہے کہ خود انجیل خدا کا آخری کلام نہیں اور اس وجہ سے اُس کا پیش کرنے والا بھی وہ آخری انسان نہیں جس کا ہر فعل اور قول قیامت تک لوگوں کے لیے نجات

کی آخری اور واحد سند ہو۔ مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ایک اور آئے گا جو اس کے پیغام کی تکمیل کریگا مگر محمدؐ رسول اللہ کا پیغام اپنے بعد کسی اور آنے والے کا پیغام نہیں دیتا۔ خداوند تعالیٰ نے جس طرح دین کے متعلق اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے) ارشاد فرمایا ہے بالکل اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی کہا ہے:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔ (احزاب ۵)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور نبیوں (کے سلسلے) کو ختم کرنے والے ہیں۔

حضور سرور دو عالم نے اسی مضمون کی کئی طریقوں سے صراحت فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر ہم بیان چند احادیث نقل کرتے ہیں:۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا حال یہ تھا کہ ان کی قیادت انبیا کیا کرتے تھے جب کوئی نبی مرجاتا تو دوسرا نبی اس کی جانشینی کرتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے بلکہ خلفاء ہوں گے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنہ واجملہ الاموضع لبنۃ من زاویۃ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے گذرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونہ میں اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے، مگر کہتے تھے کہ اس اینٹ کی جگہ پر کیوں نہ کردی گئی اور وہ اینٹ میں

ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

عن عبد الرحمٰن بن جُبیر قال سمعت عبد اللہ بن عمرو یقول خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً کالمودع فقال" انا محمد النبی الامی ثلاثا ولا نبی بعدی۔ (مسند احمد)	عبد الرحمٰن بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان سے نکل کر ہمارے سامنے تشریف لائے اور اس انداز سے کہ گویا آپ ہم سے رخصت ہو رہے ہیں یہ فرمایا: "میں محمد نبی امّی ہوں (تین بار یہ فقرہ آپ نے دہرایا) اور میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نبی بعدی ولا امۃ بعد امتی۔ (بیہقی)	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت (یعنی کسی نبی کی امت) نہیں۔

یہ عقیدہ اسلام میں اس قدر بنیادی اہمیت رکھتا ہے کہ علماء امت نے کسی مدعیِ نبوت سے دلیلِ نبوت کے مطالبہ کو بھی کفر سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں ایک مدعی نبوت نے جب نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ مجھے موقع دو کہ میں اپنی نبوت کے دلائل پیش کر سکوں تو اس پر فلسفۂ تشریع اسلام کے اس رمز شناس نے یہ "قانونی حکم" (RULING) دیا:

من طلب منه علامة فقد کفر لقوله علیه السلام لا نبی بعدی	جو شخص اس سے کسی علامت کا مطالبہ کریگا وہ بھی کافر ہو جائے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اسی طرح حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے اس کی اہمیت کا یوں اظہار کیا ہے:۔

ان الامۃ فھمت بالاجماع من ھذا اللفظ انه افھم عدم نبی بعدہ ابدا وعدم رسول بعدہ ابداً وانه لیس فیه تاویل ولا	امت نے اس لفظ (لا نبی بعدی) سے یہ سمجھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا ہے کہ آپ کے بعد کبھی نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول۔ اور یہ کہ اس میں کسی تاویل اور

تخصیص ومن اوله تخصیص نکلامه من انواع الهذیان لا یمنع الحکم بتکفیره لانه مکذب لهذا النص الذی اجمعت الامة علی انه غیر ماول ولا مخصوص

تخصیص کی گنجائش نہیں ہے۔ جو شخص اس کی تاویل کرکے اسے کسی خاص معنی کے ساتھ مخصوص کرے اس کا کلام ہذیان ہے اور یہ تاویل اس پر تکفیر کا حکم لگانے میں مانع نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اُس نص کو جھٹلا رہا ہے جس کے متعلق تمام امت کا اجماع ہے کہ اس کی تاویل و تخصیص نہیں کی جا سکتی۔

یہ سب تصریحات اس حقیقت کو ثابت کرتی ہیں کہ سلطان کائنات کی طرف سے روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کو جس آخری نبی کے ذریعہ سے مستند ہدایت نامہ اور ضابطۂ قانون بھیجا گیا اور جس کو اس ضابطہ کے مطابق کام کرکے ایک مکمل نمونہ قائم کر دینے پر مامور کیا گیا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ چنانچہ قرآن ارشاد فرماتا ہے:۔

قل یایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا الذی له ملک السموات والارض لا اله الا هو یحیی ویمیت ۔ فامنوا بالله و رسوله النبی الامی الذی یومن بالله وکلمته واتبعوه لعلکم تهتدون ۔

کہہ دے اے بنی نوع انسان میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ جس کے سوا کوئی خدا نہیں جو مارنے اور جلانے والا ہے۔ پس ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول نبی اُمّی پر جو اللہ اور اس کے فرامین پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو۔ امید ہے تم راہ راست پاؤ۔

وما ارسلنٰک الا کافة للناس بشیراً و نذیراً ولکن اکثر الناس لا یعلمون (السبا ۔ ۳)

اے محمد! ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لیے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وارسلنٰک للناس رسولا وکفی بالله شهیداً (النساء ۔ ۱)

(اے محمدؐ) ہم نے تمہیں لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس پر خدا کی گواہی کافی ہے۔

معاملہ پھر یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ انسانوں پر یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح کر دی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس ہی وہ کامل نمونہ ہے جس کی پیروی تمہارے ایمان کی اولین شرط ہے اور جس کی غیر مشروط اطاعت پر تمہاری دنیوی فلاح اور اخروی نجات کا انحصار ہے :-

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا — تمہارے لیے رسولِ خدا میں ایک اچھا نمونہ ہے اس کے لیے جو امید رکھتا ہے اللہ کی اور یوم آخرت کی اور جو اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے زندگی کے ہر ہر مرحلہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان اس امر کا متقاضی ہے کہ حضور سرورِ دو عالم کی بلاچون وچرا پیروی کی جائے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں بار بار اس کی تاکید کی گئی ہے :-

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء) — جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔

انما کان قول المومنین اذ دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولئک ھم المفلحون . . . . وان تطیعوہ تھتدوا (النور : ۷) — اہلِ ایمان کا کام تو یہ ہے کہ جب اُن کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سُنا اور مان لیا۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں . . . . . . اور اگر تم اس کی (یعنی رسول کی) اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (النساء ۹) — پس قسم ہے تیرے پروردگار کی نہیں! وہ ہرگز مومن نہیں جب تک کہ وہ اپنے آپس کے جھگڑے میں تجھ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں۔ پھر تو جو کچھ فیصلہ کرے اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہ پائیں بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ — کسی مومن یا مومنہ کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا

ورسولہٗ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہٗ فقد ضلّ ضلالاً مُّبیناً (احزاب - ۵)

رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے تو ان کے لیے اپنے معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا ۔

رسول جو کچھ (حکم) تمہیں دے اُسے تھام لو اور جس سے تمہیں روکے، رُک جاؤ۔

ویقولون اٰمنا باللہ وبالرسول واطعنا ثم یتولّٰی فریق منھم من بعد ذالک وما اولئک بالمومنین واذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم اذا فریق منھم معرضون (النور - ۴۷)

اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی۔ پھر اُن میں سے ایک گروہ اُس کے بعد مُنہ پھیرتا ہے اور یہ لوگ مومن نہیں ہیں اور جب وہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ (رسول) اُن کے مابین فیصلہ کرے، تو اُس وقت اُن میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے ۔

حضورؐ نے اس آیت کی اس طرح ترجمانی فرمائی ہے :۔

من اطاع محمدا فقد اطاع اللہ ومن عصیٰ محمدا فقد عصیٰ اللہ ومحمد فرق بین الناس

جس نے محمدؐ کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمدؐ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اللہ کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے درمیان محمدؐ ہی نشانِ امتیاز ہیں ۔

ان آیات سے یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ حضور سرورِ دو عالم کی مستقل بالذات پیشوائی و رہنمائی تسلیم کرنے پر ہی ایمان کا انحصار ہے۔ اس لحاظ سے ہر دوسرے انسان کی اطاعت سنتِ رسول اللہ کے تحت ہوگی نہ کہ ان سے آزاد ہو کر۔ حضورؐ ہی وہ واحد معیارِ حق ہیں، جو ہر تنقید سے بالاتر ہیں اور اس بنا پر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہر ایک کو انہی کے معیارِ کامل پر جانچے اور

پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو، اس کو اسی درجہ میں رکھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور خداوند تعالیٰ کے منشا کے آخری نمائندے ہیں۔ انہیں اس بات پر مامور کیا گیا ہے کہ وہ خالقِ کائنات کی پسند و ناپسند کو قیامت تک دنیا کے لیے واضح فرما دیں، اس کے اوامر اور نواہی کی قطعی تعبیر و تفصیل پیش کر دیں اور خدا کے دیئے ہوئے اصولوں کو عملی حالات پر منطبق کر کے بتا دیں کہ یہ اُن کی آخری شکل ہے۔

ایمان باللہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے لیے ایک خالق، ایک رب، ایک آقا، ایک ہادی اور ایک قانون ساز کا وجود تسلیم کرے، اس کے سامنے جوابدہی اور ذمہ داری کو محسوس کرے اور اس کی پسند کو اختیار کرنے اور اس کی ناپسند سے بچنے کی فکر کرے، مگر وہ ذات مقدس، وہ بزرگ و برتر وجود جس کی وجہ سے انسانوں کو یہ سعادت نصیب ہوئی اور جب تک کائنات قائم ہے نصیب ہوتی رہے گی وہ حضور سرورِ دو عالم کی ذات بابرکات ہے۔ لہٰذا اُن پر ایمان لانے اور بلا تامل اطاعت کرنے میں ہی انسان کی راہِ نجات ہے۔ صحیح مسلم میں آپ کا وہ خطبہ مذکور ہے جو اس حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے۔

(اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ	(حمد الٰہی کے بعد) بہترین کلام خدا کا کلام ہے اور بہترین
وخیر الھدی ھدی محمد وشر الامور	طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ بدترین امور
محدثاتہا وکل بدعۃ ضلالۃ	نئی باتیں ہیں اور ہر نئی بات گمراہی ہے۔

مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے:-

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین	میرا طریقہ اور میرے ہدایت یافتہ جانشینوں کا طریقہ
تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم	اختیار کرو، اس کو اچھی طرح پکڑے رہو، اور اس کو دانت
ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ	سے دبائے رکھو، ہاں نئی باتوں سے بچنا، ہر نئی بات
وکل بدعۃ ضلالۃ۔	بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

حضور رسالتمآب کا یہ ارشاد آپ کے خاتم النبیین ہونے کا فطری تقاضا ہے۔ کیونکہ آپ ہی کی ذات سے حکمت ربانی اور معرفت الٰہی کے سارے چشمے پھوٹتے ہیں اور ابد تک طالبانِ راہِ حق کے لیے فیض یابی کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ اُن کی ذات سے مُنہ موڑ کر اور ان کے طریقہ کو چھوڑ کر کوئی شخص راہِ ہدایت نہیں

پاسکنا تمام اطاعتیں اُن کی اطاعت کے ماتحت اور اُن کی اطاعت سے مشروط ہیں۔ ماں، باپ، استاد، مرشد، حاکم، غرض جو کوئی بھی ہو اس کی اطاعت حضور کی اطاعت کی تابع ہو گی۔ جو اُن کی اطاعت سے آزاد ہے، اُس کی اطاعت سے بندگانِ خدا آزاد ہیں ؎

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ سب عقیدۂ ختم نبوت کے طبعی اور لازمی مقتضیات ہیں۔ دینِ اسلام میں یہ عقیدہ محض ایک مابعد الطبیعی تصور کی حیثیت سے شامل نہیں بلکہ اسلامی تہذیب و تمدن کی تشکیل میں اُس نے نہایت اہم حصہ ادا کیا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اپنی تصنیف "اسلامی الٰہیات کی تشکیلِ جدید" میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"اس تصور کی عقلی اہمیت یہ ہے کہ اس سے باطنی تجربے کی نسبت ایک تنقیدی روش پیدا ہو جاتی ہے جو یہ تعلیم دیتی ہے کہ ہر قسم کا شخصی اقتدار جو فوق الفطرت بنیاد پر قائم ہونے کا مدعی ہو تاریخ انسانی میں ختم ہو گیا ہے۔ اس قسم کا عقیدہ ایک نفسیاتی قوت ہے جو اس طرح کے فوق الفطری اقتدار کی نفی کرتی ہے۔"

مسلمانوں کے تہذیبی ارتقاء میں ایک چیز جو سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے باوجود اپنی بے عملی کے قرآن اور سنت کو اپنا آخری راہنما اور ثالث تسلیم کیا اور اس بات کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے کہ اسی کی روشنی میں اپنا زندگی کا سفر جاری رکھیں۔ انہوں نے بلاشبہ قرآن و سنت کے بعض جزوی مسائل میں اختلاف بھی کیا مگر اس بات کو کبھی گوارا نہ کیا کہ ان سے ہٹ کر کسی اور کو حق و باطل کی [illegible] لیا جائے۔ جو چیز بھی سامنے آئی انہوں نے اُس کا تنقیدی جائزہ لیا اور اسی ایک معیار پر کھوٹے سے کھرے کو الگ کرتے رہے۔

دنیا میں یہ شروع ہی سے ہوتا چلا آ رہا ہے کہ انسانوں نے اپنی قوتِ تنقید کا سارا زور خارجی تجربہ پر صرف کیا اور باطنی تجربہ، خواہ کتنا ہی گمراہ کن اور باطل کیوں نہ ہو اس کی زد سے محفوظ رہا۔ اس

نے انسانوں کے اندر طرح طرح کی گمراہیاں پروان چڑھیں۔ قبا کریسی کا تصور بھی اسی کا ایک شاخسانہ ہے۔ حضور چونکہ وہ آخری انسان ہیں جنہیں خدا نے نبوت سے سرفراز فرمایا، اس لیے خدا تعالیٰ نے نوع انسانی کو ہر قسم کے فتنے سے محفوظ کرنے کے لیے اپنی کتاب میں اس امر کی صاف طور پر ہدایت فرمادی۔

ولئن اتبعت اھواءھم بعد الذی جاءك من العلم مالك من اللہ من ولی ولا نصیر۔ (البقرہ۔ ۱۲۰)	اور اگر تم نے اس العلم کے بعد جو تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آیا ہے ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے مقابل میں تمہارا کوئی کارساز اور مددگار نہ ہوگا۔
ولئن اتبعت اھواءھم من بعد ما جاءك من العلم انك اذاً لمن الظّلمین (البقرہ۔ رکوع ۱۷)	اور اگر تم ان کی خواہشوں کی پیروی کروگے بعد اس کے کہ تمہارے پاس العلم آچکا ہے تو تم اس وقت ظالموں میں سے ہوگے۔

اس بات کی صراحت حضور سرورِ دو عالم نے یوں فرمائی ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترکت فیکم امرین لن تضلّوا ما تمسکتم بھا کتاب اللہ وسنۃ رسولہٖ (مشکوٰۃ)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں یعنی کتاب اور سنت۔ جب تک ان دونوں پر مضبوطی سے قائم رہوگے اس وقت تک تم گمراہ نہ ہوگے۔

لہٰذا اسلامی تہذیب کی تشکیل اُن معروضی اقدار پر کی گئی ہے جن کو خداوند تعالیٰ نے نبی آخر الزماں کے ذریعہ اہلِ دنیا پر نازل فرمایا اور ان پر یہ فرض عائد کیا کہ وہ ہر تجربہ اور مشاہدہ کو خواہ وہ خارجی ہو یا داخلی انہی ایک معیار پر پرکھ کر دیکھیں۔ اگر وہ اس پر پورا اترتا ہو تو اُسے قبول کریں ورنہ بغیر تامل کے رد کردیں۔ ایک مسلمان کو اب اس امر کا پورا یقین ہے کہ کوئی "کلیم" طُور کی چوٹی پر جاکر اُسے کسی نئی "الہامی قدر" سے شناسا نہیں کرسکتا بلکہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اُس کا صرف یہی فرض ہے کہ "فاران کی چوٹیوں" سے پکارنے والے ہادی برحق نے جو کچھ کہا ہے اُس پر بلا تامل عمل کرے۔ اس امر میں امت کے سارے علماء، صلحاؔ اور متکلمین متفق ہیں۔ اس طرزِ عمل نے ملتِ اسلامیہ کے

ؔ شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ اپنی تالیف کشف المحجوب میں فرماتے ہیں:۔ (باقی صفحہ ۱۵۳ پر)

مختلف عناصر کو باہمی مودت اور اخوت کے ان مضبوط رشتوں میں منسلک کر دیا ہے جو وقتی مفادات یا اشتراکِ نسل و وطن سے کہیں زیادہ پائیدار ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) " ہر کہ خلق را دعوت کند بامرے از حق مرآں را برہانے باید؛ برہان آں حفظِ سنت باشد، چوں از تو ترک فریضہ بینم و تو خلق را بداں دعوت می کنی ایں کار از دائرۂ اسلام بیروں می باشد ۔

جو شخص خلق کے سامنے دعوتِ حق لے کر آنے کا مدعی ہوتا ہے اُسے اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل بھی لانا چاہیے اور یہ دلیل سنتِ رسول کی پابندی ہے تم دعوتِ حق کے مدعی ہو، مگر جب تم نے ترکِ فریضہ کر دیا تو یہ فعل دائرۂ اسلام سے خارج ہے ۔

آنکہ طریقش ترک باشد و خلافِ شریعت چیزے بر دست گیرد و گوید کہ من طریقِ ملامت می روم ، آں ضلالت واضح باشد و آفت ظاہر و ہوس صادق چنانچہ اندریں زمانہ بسیارے مستند کہ مقصود شاں از رد خلق قبول ایشاں بود

تو جو کوئی اس طریقِ ترک کو اختیار کرتا ہے اور کسی خلافِ شریعت عمل کو کر کے کہتا ہے کہ میں اصولِ ملامتیہ کی پیروی کر رہا ہوں۔ تو اس کا یہ فعل کھلی ہوئی گمراہی اور واضح معصیت اور تمام تر نفسانیت ہے ۔ چنانچہ آج کل بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ ترکِ خلق سے ان کا مقصود مقبولیت کا حصول ہے ۔

اسی طرح امام ابوالقاسم قشیری اپنی تصنیف " رسالۃ القشیریہ فی علم التصوف " میں لکھتے ہیں :۔

وبناء هذا الامر وملاكه على حفظ آداب الشريعة وصون اليد عن مد الى الحرام والشبهة وحفظ الحواس عن المحظورات وعد الانفاس مع الله تعالى عن الغفلات

تصوف کی ساری بنیاد اسی پر ہے کہ آدابِ شریعت کی پابندی رہے ۔ حرام اور مشتبہ چیزوں سے کنارہ کشی اختیار کی جائے ۔ ناجائز اوہام و خیالات سے حواس کو آلودہ نہ کیا جائے اور غفلتوں سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں وقت گذارا جائے ۔

—— شیخ عبدالقادر جیلانی اپنی تصنیف " فتوح الغیب " میں سنت کی پیروی کے متعلق لکھتے ہیں :۔

اتبعوا ولا تبتدعوا واطیعوا ولا تمرقوا

پیروی (سنت) کرتے رہو اور راہ بدعت نہ اختیار کرو۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

پھر اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم رسالت کے عقیدہ ہی نے مسلمانوں کو ایک الگ امت بنایا ہے۔ وحدت فکر اور اشتراک عمل بلاشبہ ایک قوم کے مختلف اجزا کو جوڑتے ہیں۔ انہی سے قوم کو ایک زبردست قوت رابطہ و ضابطہ میسر آتی ہے جو اجسام کے تعدد اور نفوس کے تکثر کے باوجود لوگوں کو ایک جگہ جمع کرتی ہے مگر جو جذبہ ایک قوم کو دوسری قوم سے الگ ہونے کا شعور دیتا ہے، اُسے ایک علیحدہ امت کی تشکیل پر ابھارتا ہے، اُس کے اندر یہ احساس پیدا کرتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق)

وحدوا ولا تشرکوا — اطاعت کرو، اور دائرۂ اطاعت سے باہر نہ رہو، توحید خداوندی کو مانو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ۔

ایک دوسرے مقام پر وہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اوصیك بتقوی اللہ و طاعة و لزوم ظاهر الشرع و سلامة الصدر — میں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اور اطاعت اختیار کرو، اور احکام شریعت کی پابندی لازم رکھو، اور سینہ کو (خباثت نفس سے) صاف رکھو۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ عوارف المعارف میں اس حقیقت کا یوں اظہار کرتے ہیں:۔

فاوفر الناس حظا من متابعة الرسول اوفرهم حظا من محبة اللہ تعالیٰ — پس جو شخص جتنا زیادہ تبع رسولؐ ہے، اسی قدر زیادہ وہ محبت الٰہی کا بھی حصہ دار ہے

شیخ عبدالواحد بن زید صوفیہ قدیم کے ایک مسلم سرخیل ہوئے ہیں۔ ان سے لوگوں نے صوفیاؒ کی تعریف دریافت کی تو انہوں نے صاف کہا:۔

قال القائمون بعقولهم على السنة والعاكفون عليها بقلوبهم — جو لوگ سنت رسول پر اپنی عقل کو صرف کرتے ہیں اور اپنے قلب سے متوجہ رہتے ہیں۔

ان اقوال کے نقل کرنے سے میرا مقصود یہ بتانا ہے کہ امت مسلمہ کا ہر شخص خواہ وہ کسی طبقہ یا گروہ سے تعلق رکھتا ہو، اس کے نزدیک نیکی، فلاح اور خیر کا آخری اور قطعی معیار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے، اور اس معیار کی وحدت نے ہی ملت بیضا کے مختلف عناصر کو ایک دوسرے کے ساتھ پیوست کر رکھا ہے۔

کہ تیرا اپنا ایک مستقل وجود ہے۔ وہ باہمی اشتراک کا نہیں بلکہ دوسروں سے اختلاف کا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جس کے پروان چڑھنے اور پھلنے پھولنے سے قومیں بنتی ہیں اور امتیں وجود میں آتی ہیں۔ غالباً اسی تصور کی ترجمانی اُس عارفِ ربانی نے کی تھی جب اُس نے ببانگِ دہل کہا :۔

" یہ نہ سمجھو کہ میں زمین میں صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔
کیونکہ میں اس لیے آیا ہوں کہ آدمی کو اُس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جُدا کروں " (متی)

اسلام نے نسل، زبان، اور رنگ کی ہم آہنگی سے قوم کے مختلف افراد میں وحدت و اتحاد پیدا کرنے میں مدد نہیں لی۔ بلکہ اس کے برعکس ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت سے یہ کام لیا ہے۔ اُس نے مسلمانوں کو ایک الگ امت بناتے وقت وطنیت کی دیواریں حائل کرنے کی بجائے نبوت کی حدبندی کی ہے۔ ملتِ اسلامیہ کی یہ وہ سرحد ہے جس کی حفاظت و پاسبانی امت کے ہر فرد نے کی ہے۔ اسے دنیا کی ہر چیز سے عزیز تر رکھا گیا اور اس کے متعلق مسلمانوں کا احساس اس قدر نازک اور شدید رہا ہے کہ جب کسی "من چلے" نے اس سرحدی دیوار میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی ہے تو پوری ملت کے اندر ہیجان پیدا ہو گیا۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی بنیادی فکر کی توضیح میں فرمایا ہے :۔

" مسلمانوں اور دنیا کی دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراکِ زبان ہے، نہ اشتراکِ وطن۔ نہ اشتراکِ اغراضِ اقتصادی۔ بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی اس لیے شریک ہیں کہ مظاہرِ کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے[1] "

اپنے اسی خیال کی صراحت اُنہوں نے اپنے ایک بیان میں جو اخبار اسٹیٹسمین (STATES MAN) میں ۱۰ر جون ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں طبع ہوا اس طرح فرمائی :۔

---

[1] "ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر" ترجمہ از مولانا ظفر علی خاں

"اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود مقرر ہیں یعنی وحدت الوہیت پر ایمان انبیاء پر ایمان اور رسول کریم کی ختم رسالت پر ایمان۔ دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے اور اس امر کے لیے فیصلہ کن ہے کہ کوئی فرد یا گروہ ملت اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں۔ مثلاً برہمو خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول اکرم کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں۔ لیکن انہیں ملت اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جاتا، کیونکہ وہ انبیاء کے ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول کریم کی ختم نبوت کو نہیں مانتے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس حد فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا۔ ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہیں اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا، لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریم کی شخصیت کا رہین منت ہے۔"

اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو یہ حقیقت از خود منکشف ہو گی کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انبیاء کے آنے کی گنجائش ہے وہ درحقیقت اسلام کے استحکام پر ضرب لگاتا ہے۔ نبوت کے اجرا کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی جمعیت ہمیشہ پراگندگی اور افتراق کے خطرہ میں مبتلا رہے اور ہر نئے نبی کے آنے پر کفر اور اسلام کی ایک نئی تفریق پیدا ہو جائے۔ اسلام نے دراصل نبوت کا دروازہ بند کر کے ملتِ اسلامیہ کو ایک وحدت اور پائیدار قوت عطا کی ہے۔

آئیے اب اسلام کے اس اساسی تصور پر ایک دوسرے زاویہ سے نگاہ ڈالیں۔ بنی اسرائیل کے نزدیک دنیا صرف بنی اسرائیل سے عبارت ہے۔ خدا صرف بنی اسرائیل کا خدا ہے۔ اس لیے بنی اسرائیل کے انبیاء اور صحیفوں نے اپنے پیغام کو صرف اسی ایک قوم تک محدود رکھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنا پیغام صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو دیا اور غیر اسرائیل کو اپنا پیغام سنا کر "بچوں کی روٹی کتوں کو دینی پسند نہ کی"۔ مگر اس کے برعکس پیغام محمدی دنیا میں خدا کا پہلا اور آخری پیغام ہے جسے کالے، گورے، عرب و عجم، ترک و تاتار، ہندی و چینی، زنگی و فرنگی، امیر و غریب سب کے لیے عام کیا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن ارشاد فرماتا ہے:

تبٰرک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعٰلمین نذیرا - الذی لہ ملک السمٰوات والارض (الفرقان)	برکت والا ہے وہ خدا جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ تمام دنیا کو ہوشیار کرنے والا ہو۔ وہ خدا کہ اسی کی ہے سلطنت آسمان و زمین کی۔
قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السمٰوات والارض۔	کہہ دے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جس کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت ہے
وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا۔	ہم نے نہیں بھیجا تم کو اے محمدؐ لیکن تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ہشیار کرنے والا بنا کر۔
وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین	اے محمدؐ! ہم نے تم کو تمام اہل عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

ان آیات سے یہ امر پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ تمام انبیاء میں سے صرف حضور سرور کائنات نے اپنے پیغام کے متعلق دائمی، آخری، کامل اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا "مجھ سے پہلے تمام انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور میں تمام قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں"۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ حضور چونکہ آخری پیغمبر ہیں اس لیے خداوند تعالیٰ نے حضور کو ایسے عالمگیر پیغام سے نوازا جو ساری نوع بشری کے لیے ہے۔ آپ کی تعلیم و ہدایت اتنی مکمل اور جامع ہے کہ اب اس میں کسی ترمیم اور اضافہ کی ضرورت نہیں۔ اب کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہی جس کا انکشاف انسانیت کے لیے ضروری ہو، اور نہ ہی عمل صالح اور ہدایت کا کوئی گوشہ ایسا رہ گیا ہے جس کو آشکار کرنے کے لیے نوعِ انسانی کسی نبی کی محتاج ہو۔ اس حقیقت کا متعصب سے متعصب مستشرقین تک نے اعتراف کیا ہے۔ مثال کے طور پر باسورتھ اسمتھ کہتا ہے:

"اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلا پن اور راز نہیں۔ ہم تاریخ رکھتے ہیں۔ ہم محمدؐ

کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لوتھر اور ملٹن کے متعلق۔ میتھالوجی، فرضی افسانے اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں نہیں ہیں یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کیے جا سکتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ ہی دوسرے کو دے سکتا ہے۔ یہاں پورے دن کی روشنی ہے۔ جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے"

ؔ اسلام میں یہ تصور کہ نبی آخر الزمان کی لائی ہوئی کتاب اور آپ کے جملہ آثار رسالت اپنی صحیح شکل میں نہ صرف محفوظ ہیں بلکہ درخشندہ ہیں۔ لہٰذا امتِ مسلمہ کو کسی نئی کتاب یا نبوت کی ضرورت نہیں، اس قدر بنیادی اہمیت کا حامل رہا ہے کہ اس نے مسلمانوں کے فنون تک کو متاثر کیا۔ چنانچہ مسلمانوں کی تعمیر کردہ عمارات میں یہ حقیقت پوری طرح جلوہ گر نظر آتی ہے۔ "انسان اور آدمی" میں پروفیسر عسکری نے اسلامی فنِ تعمیر کی روح کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے :-

"دوسرے مذہبوں کے معابد پر غور کیجیے تو دیکھیں گے کہ عمارات میں پر اسرار ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہیں بالکل اندھیرا ہے تو کہیں سورج کو رنگے ہوئے شیشوں میں سے گزارا گیا ہے تاکہ دماغ پر ایک مخصوص قسم کی اجنبیت اور ہیبت طاری ہو سکے۔ اسلامی عمارتوں میں اس قسم کی بازی گری قطعاً روا نہیں رکھی گئی۔ مسجد کی سب سے عام چیز صحن ہے جس میں زیادہ سے زیادہ روشنی اور ہوا آتی ہے۔ بات یہ ہے کہ خود اسلام کا سارا فلسفہ زندگی میں ابہام پرستی اور رمزیت سے کوسوں دور ہے۔ ۔ ۔ ۔ مسجدوں کے زیر اثر دوسری عمارتوں میں بھی یہ خصوصیت بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ اسلامی عمارتوں کے نقشے بڑے سیدھے سادے ہوتے ہیں۔ اسلامی عمارتیں ہندو یا گوتھک عمارتوں کی طرح بھول بھلیاں نہیں ہوتیں۔

ہندو عمارتوں کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ بنانے والے کو بیچ میں کوئی بات سوجھ گئی اور وہ کر گزرا۔ مگر اسلامی عمارات ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے ذرا ذرا سی تفصیل پہلے سے سوچی ہوئی ہو۔ اسلامی عمارت ساز وقتی جذبات یا اثرات کی پیروی نہیں کرتا بلکہ ایک عقلی اور تقلیدی نقشے کی"

(باقی بر صفحہ آئندہ)

پیغامِ محمدی کے بارے میں مسلمانوں کے اس طرزِ فکر نے کہ یہ خدا کا وہ آخری الہام ہے جس کی حفاظت کا خود خالقِ کائنات نے وعدہ فرمایا ہے، اور اس وجہ سے یہ اپنی اصل شکل میں ہمارے پاس موجود ہے، ان کے غور و فکر کے سارے انداز کو بدل دیا ہے۔ مسلمان جب تک خدا اور نبی امی پر ایمان رکھتا ہے کبھی اپنے دل کے اندر یہ ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ کوئی "فوق البشر" براہِ راست خدا سے ہم کلام ہو کر اُسے منشاءِ ایزدی سے شناسا کرے۔ وہ جانتا ہے کہ خدا نے اپنی رضا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح واضح فرما دی ہے، لہٰذا اسے معلوم کرنے کے لیے کسی معصوم اور ملہم کاہنِ اعظم کی ضرورت نہیں۔ جو خیمۂ عبادت میں "قدس الاقداس" کے پاس جا کر احکامِ الٰہی کے اسرار و رموز سے اُسے واقف کرے۔ اُسے علم ہے کہ نبوت کا باب بند ہو جانے کے بعد اُس کے لیے منشاءِ ربانی کو جاننے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ وہ خود تفکر و تدبر سے کام لے کر قرآن اور سنت سے اسے معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے بجائے انسان کو یہ تعلیم دینے کے کہ تم اتباعِ نبوی سے نبوت حاصل کرنے کی بیہودہ کوشش کرو، اُسے یہ سمجھایا ہے کہ تم نبی آخر الزماں کی پیروی اختیار کر کے ایک سچے مسلمان بنو اور اس طرح دنیا اور آخرت میں نائز المرام ہو۔ نبوت اسلامی تعلیمات کی رُو سے اکتسابی نہیں بلکہ خالصتہً وہبی کمال ہے۔ اس لیے کوئی شخص اسے ذاتی سعی و جہد سے حاصل نہیں کر سکتا۔ قرآن پاک نے اپنا سارا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ محمد رسول اللہ کی دعوت کو لوگوں کے ذہن نشین کرایا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت نہایت حکیمانہ انداز میں یوں فرمائی ہے:-

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) بعض لوگوں کو یہ اقلیدسی زنجیریں نہایت گراں گزرتی ہیں خصوصاً یورپ کی بنجر عقلیت پرستی سے اکتائے ہوئے لوگوں کو۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ یہ تعمیر ہمارے بنیادی تصور کے رُخِ زیبا کا عکس ہے۔ ایک تو حضورؐ نے دین کو اتنا صاف، بے میل اور غیر مبہم پیش فرمایا کہ اب مسلمانوں کے ذہن کے اندر کوئی ابہام پیدا نہیں ہو سکتا۔ دوسرے انہوں نے امتِ مسلمہ کو آغاز سے انتہا تک اس کے پروگرام سے واقف کر دیا ہے۔ ایک ان پڑھ سے ان پڑھ مسلمان بھی یہ جانتا ہے کہ اُس کی ذمہ داریاں کہاں سے شروع ہو کر کہاں ختم ہوتی ہیں۔

ان ھٰذا القرآن حبل اللہ، و ھو النور المبین و الشفاء النافع وعصمة من تمسك به و نجاة من تبعه	یہی قرآن اللہ کی رسّی ہے۔ نور مبین ہے اور شفاءِ نافع ہے۔ یہی اس کی پناہ ہے جو اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے اور اس شخص کے لیے وسیلۂ نجات ہے جو اس کی پیروی کرے۔

آپ قرآنِ پاک کا جس قدر مطالعہ کریں گے یہی پائیں گے کہ اس میں انسان کو عقل و فکر، فہم و شعور کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ چنانچہ کلامِ پاک میں بے شمار مقامات ایسے ملتے ہیں جہاں اَفَلَا یَتَفَکَّرُوْنَ، اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ۔ لَوْ تَشْعُرُوْنَ۔ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَاب کہا گیا ہے۔ اس میں ہر وہ طریقہ استعمال کیا گیا ہے جس سے انسانی عقل حرکت میں آسکے۔ قرآن جب کوئی حجت قائم کرتا ہے تو عقل ہی کی بنا پر کرتا ہے۔ ایک طرف وہ عقل کے فقدان پر اظہارِ غضب کرتا ہے اور دوسری طرف عقل و خرد کے صحیح استعمال پر اظہارِ خوشنودی کرتا ہے۔ اس نے جہاں کہیں دوسری ملتوں اور مذاہب کے پیروؤں اور مادیین و دہریین سے مجادلہ کیا ہے وہاں وہ دلیل و برہان سے ان پر ضرب لگاتا ہے اور تفکر و تدبر کی طرف ہی انہیں دعوت دیتا ہے۔

لھم قلوب لا یفقھون بھا و لھم اَعْیُنٌ لا یُبصِرون بھا و لھم اٰذان لا یسمعون بھا اُولٰئك کالانعام بل ھم اَضَلُّ اولٰئك ھم الغافلون (۷:۲۲)	وہ دل رکھتے ہیں مگر ان سے سوچتے نہیں، وہ آنکھیں رکھتے ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں، وہ کان رکھتے ہیں مگر اُن سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ۔ وہ دراصل غافل ہیں۔
انّ فی خلق السمٰوات والارض و اختلاف اللیل والنھار والفلك التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماءٍ فاحیا به الارض بعد موتھا و بثّ فیھا من کل دابّةٍ و	بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے، اور رات دن کی گردش اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے سمندر میں چلتی ہیں، اور اس پانی میں جسے اللہ آسمان سے نازل کرتا ہے اور جس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو پھر سے زندہ کر دیتا ہے اور پھر اس میں ہر

تصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لایاتٍ لقومٍ یعقلون۔ (۲ : ۲۰) — قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کی گردش اور زمین وآسمان کے درمیان گھرے ہوئے بادلوں میں، ارباب عقل کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

افلا ینظرون الی الابل کیف خُلِقت والی السماء کیف رُفعت والی الجبال کیف نُصِبَت والی الارض کیف سُطِحَت — کیا لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنایا گیا ہے اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بلند کیا گیا اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے نصب کیے گئے ہیں اور زمین کو نہیں دیکھتے کیسے بچھائی گئی ہے۔

وفی انفسکم افلا تبصرون۔ (۵۱:۱) — اور خود تمہارے اندر کیسی نشانیاں ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

سنریہم ایاتنا فی الآفاق و فی انفسہم حتیٰ یتبین لہم انہ الحق۔ (۴۱ : ۶) — ہم ان کو تمام اطرافِ عالم میں اور خود ان کے اپنے اندر اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ یہ قرآن حق ہے۔

یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ اس باب میں جتنی آیات قرآن کریم میں آئی ہیں ان سب کو نقل کیا جائے۔ اس لیے ہم نے صرف چند اقتباسات پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ لیکن اگر اس سلسلہ میں مزید تلاش و جستجو کی جائے اور اسی نقطۂ نظر سے دوسرے الہامی ادب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بحیثیت مجموعی جس قدر اس کتاب نے لوگوں میں عقل و فکر کو اجاگر کیا ہے اور مسائل پر غور و فکر کرنے کی عادت ڈالی ہے، دنیا کی کوئی دوسری کتاب اس معاملہ میں اس کی ساجھی نہیں ہو سکتی۔ علامہ اقبال نے اسی موضوع کے متعلق فرمایا ہے:-

"قرآن میں عقل و تجربے سے بار بار خطاب کرنا اور اس بات پر زور دینا کہ فطرت کا مشاہدہ اور تاریخ کا مطالعہ علم انسانی کے سرچشمے ہیں یہ سب اسی ایک تصور یعنی ختم نبوت کے مختلف پہلو ہیں[ل]"

ل THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM.

پھر عقل کی طرف قرآن کی اس دعوت نے مسلمانوں کے اندر استقرائی طریق تحقیق کو رواج دیا، کیونکہ حضورؐ کے تشریف لے جانے کے بعد مسلمانوں کو قرآن و سنت سے احکام کا استنباط کرنے کے لیے جس خود اعتمادی کی ضرورت ہے اُس کے لیے یہ طریقہ بہت مفید اور کار آمد ہو سکتا ہے۔ حقیقت کی کنہ تک پہنچنے کے لیے ظن و تخمین[1] کچھ کام نہیں آتے۔ بلکہ اس کے لیے مشاہدہ، تجربہ اور پیمائش کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر گستاؤ لیبان اپنی کتاب "تمدنِ عرب" میں اس مسئلہ کی نسبت یوں رقم طراز ہیں۔

"تجربہ اور مشاہدہ کو اقوال اساتذہ کے مقابل میں تحقیقاتِ علمی کے اصول قرار دینا عموماً بیکن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن اس وقت تسلیم کرنا چاہیے کہ اس کے موجد عرب تھے۔ کل محققین یورپ علی الخصوص ہمبولڈ جنہوں نے عربی تصنیفات کو دیکھا ہے۔ اب اس امر کے قائل ہیں۔ ہمبولڈ یہ لکھنے کے بعد کہ علمی ترقی کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان خود اپنے ارادے سے یعنی بذریعہ تجربہ حوادثِ طبیعیہ کو پیدا کر سکے بطورِ تمثیل لکھتا ہے "عربوں نے یہ درجہ جس سے متقدمین بالکل ناواقف تھے حاصل کر لیا تھا"

موسیو لدی لکھتے ہیں "دارالعلوم بغداد کی تعلیم میں بہت بڑی بات یہ ہے کہ اس کا طرزِ استدلال بالکل علمی اصول پر مبنی ہے یعنی معلوم کے ذریعہ غیر معلوم کو دریافت کرنا، حوادث کا درست مشاہدہ کر کے ان معلولات کے ذریعہ سے علل نکالنا اور ان ہی قضایا کو ماننا جو تجربہ سے ثابت ہو چکے ہوں یہی ان اساتذہ کے اصولِ تحقیق تھے۔ نویں صدی عیسوی کے عربوں کو یہ نتیجہ خیز طریقۂ تحقیق معلوم تھا جو مدت ہائے دراز کے بعد ہمارے حال کے محققین کے ہاتھوں میں بڑی بڑی اکتشافات[2] اور ایجادوں کا آلہ بن گیا۔"

---

[1] ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔

[2] اقبال نے کہا ہے کہ سائنس یا حکمتِ اشیاء فرنگی زاد نہیں بلکہ مسلمان زاد ہے

حکمتِ اشیاء فرنگی زاد نیست | اصل او جز لذتِ ایجاد نیست
نیک اگر بینی مسلماں زادہ است | ایں گہر از دستِ ما افتادہ است
ایں پری از شیشۂ اسلافِ ماست | باز صیدش کن کہ او از قافِ ماست

مگر اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسلام نے جس عقل کی طرف دعوت دی ہے وہ دورِ جدید کی بنجر عقلیت پرستی سے بالکل مختلف ہے۔ پھر اس نے جس طرز سے لوگوں کے فہم و شعور کو اُبھارا ہے وہ بھی عہدِ حاضر سے یکسر جداگانہ ہے۔ جدید تمدن کی سب سے بڑی بدنصیبی اور نارسائی یہی ہے کہ اس نے عقل کو بے زمام چھوڑ دیا کہ جدھر چاہے جائے اور جو چاہے کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ بے راہ روی میں ان گلی کوچوں کی طرف نکل گئی جہاں تک اُس کی رسائی ممکن نہ تھی اور بالآخر اسے رسوا ہونا پڑا۔ اہلِ یورپ کے پاس چشمِ نگراں تو ہے لیکن ان کی بڑی محرومی یہ ہے کہ اُن کے دلوں کو وحی اور الہام سے منور نہیں کیا گیا۔ اور یہ نعمت اتباعِ نبوت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ؎

دلِ بیدار ندادند بہ دانائے فرنگ
ویں قدر ہست کہ چشمِ نگرانے دارد

اگر اہلِ مغرب تسخیرِ زمان و مکاں کی صلاحیتوں کو احکامِ الٰہی کے تحت بروئے کار لاتے تو انہیں ان مصائب کا سامنا نہ کرنا پڑتا جن میں وہ آج اپنے آپ کو بُری طرح گرفتار پاتے ہیں۔ تہذیبِ فرنگ نے انسان کو جس بربادی کی طرف دھکیلا ہے وہ اسی "بے زمام" عقل کی پرستش کا فطری نتیجہ ہے ۔

عصرِ حاضر را خرد زنجیرِ پاست
جانِ بے تابے کہ من دارم کجاست

اسی طرح ہدایتِ الٰہی کی راہنمائی کے بغیر استقرائی طریقِ تحقیق بھی اہلِ یورپ کے لیے سخت مہلک ثابت ہُوا۔ یورپین تہذیب کی اصل روح ایجاد و تسخیر اور اثباتِ خودی میں مضمر ہے، جس کی بدولت انسان کو کائنات میں ایسے تصرفات حاصل ہوتے جو پہلے کبھی نہ ہوتے تھے اور یہ سب کرشمہ ہے مشاہدہ اور تجربہ کا۔ ان کی بدولت انسان کے اندر تصرف و ایجاد کی بے پناہ قوتیں پیدا ہوئیں اور انہوں نے ایک ایک کر کے ان سب رکاوٹوں کو دُور کر دیا جو انسان کے لیے سنگِ گراں تھیں اور جن کی وجہ سے اشیاء کے باہمی روابط میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکتی تھی لیکن جدید یورپین تہذیب کی بڑی کوتاہی یہ ہے کہ روحانی اور اخلاقی اقدار کی پامالی کے باعث اس کا توازن بگڑ گیا۔ اس لیے موجودہ انسان نے مشاہدہ اور تجربہ سے فطرت

اور زندگی کے واقعات و حوادث کی صحیح تعبیر کرنے کی بجائے مادیت پرستی کو اپنا شعار بنا لیا۔ وہ مادی زندگی کی لذتوں میں ایسا منہمک ہو گیا کہ ان کے علاوہ وہ کچھ سوچ نہیں پاتا۔ اُسے کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ آخر عمل کی یہ ساری مجنونانہ تگ و دو کس لیے ہے؟ کیا یہ مقصود بالذات ہے؟ یا کسی بڑے مقصد کے حصول کا ذریعہ۔ یہاں آکر اُس کا ذہن اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ وہ یہی سمجھتا ہے کہ مادی فوائد و لذائذ کا جمع کرنا ہی انسان کا مطمح نظر ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں نے مشاہدہ اور تجربہ سے زندگی کی روحانی اور اخلاقی اقدار کو معلوم کیا۔ انہوں نے مادی زندگی کو ایک بالاتر روحانی زندگی تک پہنچنے کا وسیلہ بنایا۔

اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو معلوم ہو گا کہ عقلیت اور مذہبیت ابتدائے آفرینش سے لے کر ہزاروں سال تک آپس میں برسرِپیکار رہے۔ کبھی "عقلیت" مذہبیت پر غالب آجاتی اور اسے زندگی کے ہر میدان سے خارج کر دیتی اور کبھی "مذہبیت" عقلیت کو شکستِ فاش دے کر فتح کے شادیانے بجاتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان یہ جنگ کئی صدیوں تک جاری رہی۔ البتہ کبھی کبھی خدا کے "پاکباز بندے" درمیان میں آکر ان کے مابین صلح کرا دیتے۔ مگر وہ صلح وقتی اور عارضی ہوتی اور پھر میدانِ کارزار گرم ہو جاتا۔ حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر نہ صرف ان کے درمیان مصالحت کرائی بلکہ عقل کو "تابع فرمانِ نبوت" کر کے اُس کی حدودِ کار کو بھی ہمیشہ کے لیے متعین کر دیا۔ حضور کا یہ آخری اور قطعی فیصلہ اس وجہ سے بھی تھا کہ آپ نبی ہونے کے علاوہ ختم المرسلین بھی ہیں۔ (باقی)

ایک ضروری تصحیح

گذشتہ "ترجمان" (ذی الحجہ ۷۳ھ) کے بحرِ رسائل و مسائل میں صفحہ ۵۴ پر ایک سوال کے جواب میں غلطی سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف سورۂ کہف میں بیان ہوئے ہیں، حالانکہ یہ مصارف سورۂ توبہ (رکوع ۸) میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس سہو پر دلی افسوس ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ تصحیح فرمالیں۔ (ادارہ)